ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان:

تحقیق کے بنیادی لوازم

موجودہ فن تحقیق کے بنیادی لوازم سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان لوازم کا ذکر بھی کردیا جائے جو ہمارے اسلاف کرام رحمہ کے پیش نظر تھے۔

سورۃ الحجرات (٦) میں ارشاد ہے:-

یاایھاالذین آمنوآ اِن جآء کم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجھالہ فتصبحوا علیٰ مافعلتم نادمین۔ (یعنی اے ایمان والو، اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کرلیا کرو، کبھی کسی قوم کو تم نادانی سے کوئی ضرر پہنچادو، پھر اپنے کیے پر پچھتانا پڑے)۔ اس آیت مبارکہ میں تحقیق کرنا، بات کھولنا، سچائی تک پہنچنا، پرکھنا، جاننا اور سمجھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جہالت اور نادانی سے بچنے کے لیے حقیقت کی تلاش فرض ہے تاکہ بعد میں پچھتانا نہ پڑے اور مضرات سامنے نہ آئیں۔ اس تحقیق کی پروا نہ کرتے ہوئے صرف زبانی باتوں پر یقین کرلینا محض گمراہی ہے۔

سورۃ التوبہ (٣٠) میں ارشاد ہے:-

وقالت الیھود عزیر ن ابن اللہ وقالت النصاری المسیح ابن اللہ ط ذالک قولھم بافواھم ج یضاھؤن قول الذین کفروا من قبل ط (اور یہودی بولے عزیر، اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی بولے، مسیح، اللہ کا

بیٹا ھے . یہ باتیں وہ اپنے منہہ سے بکتے ھیں ...) یعنی یہ باتیں ایسی ھیں جن کے لیے کوئی دلیل کہیں نہیں مل سکتی اور وہ لوگ خواہ مخواہ باطل صریح کے معتقد ھیں.

یہی زبانی باتیں جو بعد میں تاریخ کی حیثیت اختیار کرلیتی ھیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ھیں جیسا کہ سورۃالصف (۳) میں ارشاد ھے :-

کبر مقتاً عنداللہ آن تقولوا مالا تفعلون (یعنی کیسی سخت ناپسندیدہ ھے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو). یعنی زبانی جمع خرچ کروگے تو عمل سے کورے رھوگے اور ایسی بات اللہ تعالیٰ کو سخت ناگوار ھے . گویا زبانی باتیں جو بلا دلیل ھوتی ھیں وہ گمراھی بھی ھیں، باطل صریح بھی ھیں اور اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند بھی ھیں. اسی لیے ھمارے اسلاف کرام رح نے جو کچھہ سنا اُس کے لیے پوری تحقیق کی اور حدیث کے معاملے میں تو ایک ایک حرف اور لفظ کی صحّت کے لیے سخت دشواریوں کو بھی لبّیک کہا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ھے کہ آپ نے ایک حدیث حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست خود سنی تھی لیکن اس حدیث کے کسی لفظ پر شک پیدا ھوا تو آپ اس شک کو مٹانے کے لیے مدینہ منورہ سے حضرت عقبہ بن عامر رضہ کے پاس مصر تشریف لے گئے۔ حدیث یہ تھی :-

من ستر مسلماً خزیہ" سترہ‌اللہ یوم القیامہ"

اور لطف یہ کہ اس حدیث کو سنتے ھی (اور اپنا شک دور کرتے ھی) آپ اپنی سواری کی طرف پلٹے، سوار ھوئے اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ھوگئے . آپ نے (مصر میں) اپنا کجاوہ بھی نہیں کھولا . حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور

ہے کہ آپ نے حدیث کے ایک حرف کے لیے کوچ کیا ۔ حضرت مسروق رضہ کے لیے بھی یہی کہا جاتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ سچائی اور حقیقت کی تلاش میں شمع رسالت کے پروانے کس طرح اپنی جان کی بازی لگایا کرتے تھے اور کسی مشکل یا قربانی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے ۔ پھر ان کا فن حدیث (روایت ۔ تاریخی تنقید) اپنے اندر ایسی نزاکتیں رکھتا ہے کہ تاریخ کے ناقدین کا ذہن بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا ۔ اور راویان حدیث کا (i) تقویٰ ایسا تھا کہ وہ بدعات اور صغیرہ تک سے اجتناب کرتے تھے (ii)۔ اور چھوٹی چھوٹی برائیوں سے بھی پرہیز کرتے تھے ۔ مثلاً بازار میں کھانا پینا، یا راستے کے کنارے پیشاب کرنا وغیرہ ۔ اور (iii) ضبط کا یہ حال تھا کہ کبھی سہو کا شائبہ بھی گوارا نہیں کرتے تھے ۔ روایت کے لیے یہ احتیاط پھر کس سے ہوئی اور کس سے ہوسکتی ہے ؟ درایت (اصول تنقید) یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کے پرکھنے کے لیے اصول و ضوابط بھی ترتیب دیے گئے اور بتایا گیا کہ درایت بھی صرف اُن لوگوں کی معتبر ہوسکتی ہے جنھوں نے قرآن و حدیث اور فقہ اسلام کے مطالعے اور تحقیق میں ایک عمر صرف کی ہو۔ ہر کس و ناکس کو اس کا مجاز قرارنہیں دیا سکتا۔ (۱) گویا ہمارے اسلاف کرام کی تحقیق کے لوازم یہ تھے جن پر اب عمل پیرا ہونا بظاہر ناممکن نہیں تو بیحد دشوار ہے ۔

۲۔ موجودہ فنِ تحقیق کے بنیادی لوازم کیا ہیں؟ اور ایک کامیاب اسکالر کی بنیادی ضرورتیں کیا ہیں؟ یہ سوالات کبھی کبھی

---

(۱) بعد میں اہل ہوا نے جعل اور دجل کو ذاتی سیاسی یا مذہبی اغراض کے لیے اختیار کیا جس کی تفصیل مختلف کتابوں میں ہے ۔ بعض نے محض عقیدت کی بناء پر موضوعات کو اختیار کیا اور بعض نے ناموں کے التباس سے دھوکا کھایا ۔

سامنے آتے ہیں، بالخصوص اردو تحقیق کے حوالے سے۔ اس سلسلے میں چند باتیں جو ذہن میں آتی ہیں پیش کی جاتی ہیں، اور ضمناً مزید چند تصریحات بھی، کہ وہ بھی کسی نہ کسی طور پر اسی عنوان سے تعلق رکھتی ہیں۔

۳۔ سب سے پہلے تو یہی غور طلب ہے کہ کس حوالے سے ہم تحقیق کے بنیادی لوازم تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ ادبی اور تاریخی تحقیق کے حوالے سے؟ سماجی تحقیق کے حوالے سے؟ تجرباتی تحقیق کے حوالے سے؟ جدا جدا حوالوں کے ساتھ جدا جدا بنیادی لوازم یا یوں کہیے کہ تحقیق کا "اِنفرا اِسٹرکچر" بدلتا جائے گا۔ یہ تبدیلی ہمارے تصور تحقیق کے لحاظ سے بھی رونما ہوسکتی ہے۔ ہم تلاش حقیقت کا تصور رکھتے ہیں یا سچ کی پہچان ہمارا مسئلہ ہے تو ایک بات ہوگی، معلومات سے مطابقت والا ایک قابل قبول حل، مشکل مطمح نظر ہے تو دوسری بات، دونوں صورتوں میں بنیادی لوازم بھی کچھ نہ کچھ بدلیں گے۔ ہماری تحقیق کے، پہلے سے طے شدہ کچھ مقاصد ہیں؟ یا نہیں ہیں؟ ان دونوں مختلف صورتوں میں بھی لوازم پر اثر پڑے گا۔ کار تحقیق کو ہم نے کتنی سنجیدگی سے لیا؟ اِس کے درجوں کا فرق بھی لوازم کی تلاش پر اثر انداز ہوسکتا ہے؟ اور غالباً اس کا فرق بھی کہ یہ سوال ہم نے اپنے آپ سے اپنی علمی زندگی کے کس مرحلے پر کیا ہے، ابتدا میں جب کہ ہم اپنی صلاحیتوں کی دریافت میں لگے ہوتے ہیں، یا دوسرے علمی و ادبی یا تخلیقی میدانوں میں پیش رفت حاصل کرلینے کے بعد، محض تحمیض کے طور پر اِس میدان میں بھی۔ تو اِس صورت میں اب ہم مجبور ہوں گے کہ اپنی علمی زندگی کی عمارت میں اِدھر اُدھر چند معمولی تبدیلیاں لا کر کام چلائیں گے۔ اس لیے کہ بنیادی طور پر تو یہ عمارت کسی

اور مقصد کے لیے بنائی گئی ہوگی، گوکہ وہ مقصد بڑی اپنی جگہ اہم ہوسکتا ہے، لیکن مقصد کا فرق اثر انداز تو ضرور ہوگا۔

۴۔ ایک مورخ، ایک ادبی مورخ، ایک نقاد اور بالعموم ہر ایک عالم کے لیے تھوڑا بہت ذوق تحقیق ایک اضافی خصوصیت اور خوبی ہی تصور کی جاتی ہے، اور بالکل بجا ہے ایسا تصور کیا جانا، بلکہ تحقیق کو مقام تو اس سے زیادہ ملنا چاہئیے۔ لیکن ایک محقق کے لیے جو بنیادی طور پر محقق ہے، اول و آخر محقق ہے، یہ محض ایک اضافی خوبی نہیں بلکہ یہ ایک طرز زندگی، ایک لائف اسٹائل ہے۔ ہمارے اعلیٰ پائے کے محققوں نے ہمارے اپنے زمانے میں، اور محقق محدثین نے گذشتہ زمانوں میں زندگیاں اسی طرز پر گزاری ہیں۔ وہ تلاش حقیقت یا تلاش حقائق کے بڑے جویا تھے۔ اس کے لیے بڑی کھکھیڑ اٹھانے والے، سفر کرنے والے اور آرام کو تجنے والے تھے، انھوں نے اپنی عملی زندگی کے آغاز ہی سے علمی میدان میں محنت اور سخت کوشش اختیار کرلی۔ اپنی بہت سی جائز ضرورتوں اور سہولتوں پر علمی اسفار و کتب کو مقدم جانا اور ایک ایسے طریقے پر زندگی بسر کی جو تحقیقی کاموں کے لیے موزوں و مناسب تھی۔

مختصر یہ کہ انھوں نے تحقیق کو چند روزہ شغل یا تحمیض یا فیشن نہیں بنایا، اپنا طرز زندگی بنایا جس کے لیے ظاہر ہے کہ بڑی سچی لگن چاہیے۔

۵۔ تو اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ تحقیق کو بطور ایک طرز زندگی اپنانا ہی اولین اور بنیادی اور لازمی شرط ہے۔ اور اس راستے کا پہلا قدم ہے ایک سچی لگن کہ وہ تو فی الحقیقت ہر صبر آزما کام کے لیے ضروری ہے جیسا کہ فارسی مقولہ ہے ع شرط اول قدم

آنست کہ مجنوں باشی۔ یا جس طرح رومی رحہ نے کہا ہے:۔

پس قیامت شو قیامت را ببیں دیدن ہر چیز را شرط ست ایں

جس کو اپنی علمی زندگی کے آغاز میں ایسا رہنما اور ایسا ماحول مل جاتا ہے کہ وہ سچی لگن لگانے میں سازگار ہو، اس کے لیے تحقیق کی دشوار راہیں نسبتہً آسان ہوجاتی ہیں۔

٦۔ اب خصوصاً اردو کی ادبی تحقیق کو لیجیے۔ تو اس حوالے سے دوسری لازمی چیز یہ ہوگی کہ ہم اپنا مضمون، اردو، بخوبی جانتے ہوں، اس دائرے میں کثیر المعلومات ہوں، وسیع المطالعہ ہوں، اور مطالعے کا یہ عمل کسی درجے پر آکر رک نہ گیا ہو، حوالے کی کتابوں تک عمدہ طور پر رسائی ہو، علماء و فضلاء سے استفادے کا موقع تلاش کرنے والے ہوں کہ یہ چیز خود ذوق تحقیق کی آبیاری کرتی ہے۔

٧۔ عربی، فارسی ہمارے لیے کلاسیکل زبانوں کا درجہ رکھتی ہیں، ان سے تھوڑی بہت واقفیت چاہیے۔ جو فارسی میں مہارت رکھے گا، اس کو اردو کی ادبی تحقیق میں نمایاں فوائد حاصل رہیں گے۔ تاریخیں، تذکرے، بزرگوں کے ملفوظات اور اسی نوعیت کی کتابیں، مکتوبات اور دستاویزات بکثرت فارسی میں ہیں جن کے حوالے اردو کی تحقیق میں آتے ہیں، کہ ایک زمانے میں وہی علمی و ادبی زبان تھی اور ہمارے بہت سے بلند مرتبہ اردو شعراء نے فارسی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ پھر عربی سے کسی قدر واقفیت خود اچھی اردو اور اچھی فارسی کے لیے ضروری ہے۔ غرض کہ ان زبانوں سے ابتدائی واقفیت یا کام چلانے کے قابل واقفیت کو بھی اگر اردو تحقیق کے بنیادی لوازم میں شمار کیا جائے تو بےجا نہ ہوگا۔

۸- مشرقی مخطوطات کے ذخیروں کی بہت سی وضاحتی فہرستیں بلند معیار کے حامل مستشرقین نے انگریزی میں مرتب کی ہیں. باوجود اپنی بعض خامیوں کے، وہ معلومات کا ایک خزانہ ہیں، ان کو دیکھنے کی ضرورت کسی نہ کسی مرحلے پر اردو کی تحقیق میں بھی پیش آجاتی ہے، ہماری معلومات کے بکثرت بنیادی ماخذ فارسی زبان میں ہیں اور وہ وضاحتی فہرستیں بہت سی معلومات ان کے بارے میں بہم پہنچاتی ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ بسہولت ان تک رسائی ہو، بلکہ بہتر ہے کہ ان کے حصول کی کوشش کی جائیں. اسی طرح اردو زبان میں مشرقی مخطوطات کے ذخیروں کی جو اجمالی یا وضاحتی فہرستیں دستیاب ہوں ذاتی ذخیرے کے لیے حاصل کرنی چاہییں۔ علیٰ ہذا مطبوعات کے ذخیروں کی بھی، اگر دستیاب ہوں، اور کتاب خانوں اور مخطوطات کے ذخیروں سے ذاتی واقفیت کا ایک مضبوط تعلق قائم کرنا چاہیے۔ اردو کے محققوں کو اکثر فراہمیٔ مواد کا بہت سا وہ کام خود کرنا پڑتا ہے جسے انجام دینے میں ترقی یافتہ ملکوں کی لائبریریوں کے منتظمین ہاتھ بٹاتے ہیں۔ اس لیے اردو کے اہم کتاب خانوں اور شخصی ذخیروں سے واقفیت اور بھی ضروری ہوجاتی ہے۔ اور ایسا تب ہی ہوسکتا ہے کہ کتاب خانے ہمارے طرز زندگی کا لازمی حصہ بن جائیں۔ جب یہ چیز ہمارے طرز زندگی میں ترجیحی اہمیت حاصل کرلے گی تو ہم دیکھیں گے کہ ہمارے مضبوط تر شخصی روابط بھی ایسے ہم ذوق صاحبان تحقیق سے زیادہ ہوں گے جو قابل قدر ذخیرہ کتب رکھتے ہوں، اور یہ بالکل فطری امر ہوگا۔

۹- تاریخ بڑی اہم چیز ہے، کتب تواریخ پر دسترس بیحد اہمیت رکھتی ہے۔ ادبی تحقیق میں وہی زیادہ تر کامیاب رہے ہیں

جنھیں زیر تحقیق عہد کی تاریخ کے اہم اور مستند اور بنیادی ماخذ تک رسائی حاصل تھی، جو ادبی حقائق کو تاریخ کی روشنی میں دیکھنے کے قابل تھے۔ اس لیے جہاں اردو زبان و ادب کا مطالعہ ضروری ہے وہاں عصری تاریخ بھی کچھ کم اہم نہیں۔ بلکہ یہ تو لازمی چیزوں میں سے ہے۔ تو اب بات یوں بنی کہ اردو زبان و ادب کی تحقیق کے لیے تاریخ کا مطالعہ ضروری ہوا اور چونکہ اسکے بنیادی ماخذ بہت کچھ فارسی میں ہیں تو فارسی کا جاننا بھی لازم آیا۔ مزید برآں مواد انگریزی میں بھی ہے۔ کتابیں بھی اور دستاویزات بھی بالخصوص کمپنی کے عہد کے۔ تو انگریزی مصادر تک رسائی کے اپنے فوائد ہوئے۔ مختصر یہ کہ اردو کی تحقیق میں کامیابی زیادہ تر انھوں نے حاصل کی ہے جو اردو کے ساتھ فارسی اور تاریخ کے عالم بھی تھے اور انگریزی مصادر تک بھی رسائی رکھتے تھے۔

۱۰- سنین اور ان کی مطابقتیں، اسی طرح دنوں تاریخوں کا حساب بالوضاحت درج نہیں تو قرائن و شواہد کی بنا پر زمانے کی تعیین، اور استخراج نتائج میں یا مزعومات و مفروضات کے رد میں ان سے آگہی کی اہمیت۔ یہ سب تحقیق میں بنیادی اہمیت کی چیزیں ہیں۔ ایک قابل اعتماد تقویم ہجری و عیسوی جس میں سنین کی مطابقتیں درج ہوں اور مستشرقین کے طرز کی ایسی وضاحتی فہرستیں جن میں اشخاص و اماکن کے علاوہ اہم تاریخوں کے اشارے بھی بتفصیل مل جاتے ہیں، اسکالر کی ایک بنیادی ضرورت کو پورا کرتے ہیں بلکہ یوں کہیے کہ بنیادی لوازم میں سے ہیں۔

۱۱- تحقیق کی روح اور جان تو یہی ہے کہ حقائق کی تلاش کی جائے اور اچھی طرح چھان بین کی جائے۔ اور بلا شبہہ نامکمل ہے اگر تعبیر و تشریح کے ساتھ نہ ہو یا بہ الفاظ دیگر اگر اس کے

ساتھ تنقید نہ ہو، تاہم حقائق کی تلاش کی خود اپنی ایک اہمیت ہے، گو کہ اس کے ساتھ تعبیر و تنقید کا عمل نہ بھی ہو۔ یہ پھر بھی غیر اہم چیز نہیں ہے۔ یا پھر بھی افادیت رکھتی ہے۔ ہاں تحقیق کے بغیر تنقید گویا ٹیڑھی دیوار آسمان تک اٹھانا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ ہم تحقیق کو کسی طور غیر اہم نہ جانیں۔ وہ مکمل تحقیق ہے تو آفریں، جزوی تحقیق ہے تو پھر بھی غیر اہم نہیں۔

۱۲۔ موضوعات تو ادبی تحقیق کے میدان میں بے شمار ہیں، نئے بھی اور نئے زاویوں سے روشنی ڈالی جائے تو پرانے بھی، کبھی ان پرانے موضوعات کے رد یا منفی رخ سے بھی ایک راہ کھلتی ہے، مگر بہتر بات یہ ہے کہ موضوع اہم ہونا چاہئے۔ اس سے تحقیق کے نتائج بھی اہمیت حاصل کرتے ہیں۔ جس بلند پایہ محقق نے ذوق کو موضوع تحقیق بنایا اور خوب خوب داد تحقیق دی، اس کے اعلیٰ نتائج تحقیق نے تاریخ ادب میں ویسی جگہ نہ پائی جیسی غالب کے بلند پایہ محققین کو ملی، حالانکہ معیار کے لحاظ سے تو کام کسی طور کسی سے کم نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ فرق موضوعات کا ہے، چنانچہ اس کا خیال بھی ضروری ہے۔

۱۳۔ ضروری مواد تک رسائی بھی ہم اردو والوں کے لیے بحالات موجودہ ایک مشکل مرحلہ ہے، لیکن مواد فراہم ہوجانے کے بعد اس کی چھان بین، ترتیب و تنظیم، اور پیش کش بھی کچھ کم صبر آزما نہیں۔ اکثر دیکھا ہے کہ مواد جمع کرنے کے بعد بھی طویل عرصہ اس کام میں لگ جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو ایسی دشواریاں گنائی جاتی ہیں کہ صبر ایوب اور عمر نوح چاہیے انہیں سر کرنے کے لیے۔ کئی صاحبان ماحضر پیش کردینے کو غنیمت جانتے ہیں اور بات نہیں بنتی کیونکہ جیسا صبر اس کام کے لیے چاہیے نہیں

هو پاتا یا بعض ضرورتیں مجبور کرتی ہیں کہ صبر سے کام نہ لیا جائے۔ لیکن تحقیق کے لیے یہ صفت ہے خاصی اہم، بلکہ اچھی تحقیق کے لیے تو لازمی اور ضروری ہے۔ کوئی اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہیے اس معاملے میں۔

۱۴- الجھنیں اور دشواریاں تو اس راہ میں بہت سی آتی ہیں، جب کہ ہم خود کو چہ کنم کی حالت میں پاتے ہیں۔ اس حالت سے نکلنے کا آسان ترین علاج وہی ہے جس پر ہم نے اپنے زمانے کے بڑے بڑے فضلاء کو کار بند پایا ہے، یعنی یہ کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے زیادہ جاننے والے سے پوچھ لیں۔

مشورہ اچھی چیز ہے، اس سے تحقیق کی اکثر مشکلات حل ہوجاتی ہیں۔ آخر میں سعدی کے قول پر ان تصریحات کو ختم کیا جاتا ہے۔

من نہ گویم کہ این کن وآں کن
مصلحت بین و کارِ آساں کن